اسلاموفوبیا کی پیمائش

ایس سید

خلاصہ

[اس مضمون میں اسلاموفوبیا کی تعریف متعین کرنے، اس کو اس کی متنوع اقسام، اسلاموفوبیا کے عمومی مظاہر، ان مخصوص ثقافتی، سماجی، معاشی اور تاریخی عوامل کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے جنہوں نے ہر جگہ اسلام پر عمل کرنے کے حوالے سے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مصنف کے خیال میں اسلاموفوبیا سے چھٹکارا پانے کا سب سے کامیاب ذریعہ ان کو سہولت دینا اور بااختیار بنانا ہے جو خود اس کا شکار ہیں، یعنی مسلمان نیز اس سلسلے میں عملی اقدامات کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔]

تعارف

اسلاموفوبیا ایک ایسے نظریے کا نام ہے جو نسل پرستی سے مختلف ہے۔ یہ ایک ایسی چیز کا نام ہے، جسے ابھی نام دیے جانے کی ضرورت ہے۔ عوامی مباحثوں میں مسلسل اس کا ذکر اسی جانب اشارہ کرتا ہے کہ اس مسئلے پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلاموفوبیا کس چیز کا نام ہے، یہ تو ابھی قابل بحث بات ہے۔ اس بحث کے دو پہلو ہیں فلسفیانہ اور سیاسی۔ فلسفیانہ پہلو سے میری مراد ہے کہ اسلاموفوبیا کے تصور کے بارے میں ابھی ابہام

موجود ہے اور سیاسی پہلو سے مراد ہے کہ اسلاموفوبیا کے متعلق تصفیہ نہ ہونا یا اس کی تعریف متعین نہ کر دیا جانا محض اس وجہ سے نہیں ہے کہ نظریاتی طور پر اس میں ابہام ہے بلکہ جس میدان میں یہ ظاہر ہوتا ہے وہاں نیشنل سیکورٹی، سماجی اور ثقافتی رشتے بھی زد میں آتے ہیں۔

اس مضمون میں، میں کوشش کروں گا کہ ''قابلِ عمل علم'' کو سامنے لاسکوں۔ یہ وہ علم ہے جسے پالیسی ساز، سیاسی قوت ارادی اور ذرائع کے ساتھ، چیزوں کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر میں ان ممکنہ طریقوں کو سامنے لانے کی کوشش کروں گا جن کے تحت ہم خود اسلاموفوبیا کے لیے جواب دہ ہیں تا کہ جواب دہی کی مشق، اس مسئلے میں کمی لانے کا نقطۂ آغاز ثابت ہو۔

اسلاموفوبیا کی تعریف متعین کرنا

اسلاموفوبیا کے متعلق جواز کی بحثیں، مسلمان کی شخصیت کے گرد جنم لینے والی مشکلات سے شروع ہوتی ہیں۔ اسلاموفوبیا سے متعلق بحث، اخلاقی بوکھلاہٹ (moral panics) جو اکثر مغربی مفکرین کے سر پر سوار رہتی ہے، سے لے کر دنیا کی کچھ عالمگیر (یا مغربی) اقدار جیسے آزادی اظہار، صنفی مساوات (Gender equality) یا برداشت جیسے امور کو شامل ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اقدار ''کچھ'' مسلمانوں کے اقدامات کی وجہ سے خطرے میں ہیں۔[1]

بطور اصطلاح، اسلاموفوبیا کی کئی طرح سے تکرار کی جاتی ہے۔ خاص طور پر ۱۹۲۰ء کے آس پاس، فرانسیسی زبان میں، نوآبادیاتی تناظر میں اس کا استعمال ہوا۔ انگریزی زبان میں اس کا استعمال بہت کم مواقع پر ہُوا جیسے ۱۹۸۵ء میں ایڈورڈ سعید کی کتاب Orientalism میں اس جانب اشارہ تھا۔ اس کے بعد ۱۹۹۷ء میں رنی میڈ رپورٹ (Runnymede Report) میں اس کا واضح طور پر ذکر کیا گیا۔ خاص طور پر اس رپورٹ کے مندرجات کو 'شیطانی آیات' کی اشاعت کے خلاف ایک محرک اور مسلمانوں کے سیاسی میدان میں آنے کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ اسلاموفوبیا کا جو تصور، رنی میڈ

رپورٹ میں سامنے آیا، وہ آٹھ بنیادی نکات پر مشتمل تھا۔ یہ نکات اسلام کا ناقابل تبدیل چٹان کے طور پر تصور، بنیادی طور پر اس کی پرتشدد فطرت اور مغرب کے مقابلے میں اس کی بنیادی کمتری کے گرد گھومتے ہیں۔ آٹھ میں سے چھ نکات اسلام سے متعلق ہیں جب کہ دو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

بنیادی طور پر اسلام دشمنی اور اس دشمنی کے نتیجے میں مسلمان اسلاموفوبیا کا نشانہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس رپورٹ میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کو واضح طور پر نسل پرستی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔[۲] لادین ذہنیت کے حامل نقادوں کے پاگل پن کی حد تک شدید اعتراضات کے برعکس، مسلمانوں کا ظہور، برطانوی ریاست کی متنوع ثقافت پر مبنی پالیسوں کے نتیجے میں نہیں ہوا، بلکہ رنی میڈ رپورٹ کے صفحات پر اس کا نمودار ہونا دراصل اس محرک کا عکس تھا جو کہ ۱۹۸۹ء میں برطانیہ میں 'شیطانی آیات' کی اشاعت کے خلاف سامنے آیا۔

اسلاموفوبیا کی مخالفت تین تہہ در تہہ نکات پر مشتمل ہے۔ پہلا، یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اسلاموفوبیا کوئی معقول زمرہ نہیں ہے کیونکہ جس منظرنامے کو پیش کرنے کا یہ متلاشی ہے، اس کا وجود ہی نہیں ہے یعنی مسلمانوں کے خلاف کوئی قابل ذکر مخصوص امتیاز موجود ہی نہیں ہے صرف اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں۔[۳] مسلمانوں کے خلاف جو بھی امتیاز یا تعصب پایا جاتا ہے اسے سادہ اور عام الفاظ میں نسل پرستی کہا جاسکتا ہے اور اس لیے اسے کسی خاص نظریے کا نام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرا، بہت سارے ایسے دلائل موجود ہیں جن کے مطابق اسلاموفوبیا کا استعمال گرما گرم بحثوں اور آزادی اظہار کا ذریعہ ہے۔ بالفاظ دیگر اسلاموفوبیا کو (اگر ہم معروف اصطلاح استعمال کریں) ''سیاسی درستگی کے پاگل پن'' کے ایک اور نشان کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

تیسرا، یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اسلاموفوبیا ان خطروں یا خطروں کے ادراک کے لیے ایک قانونی جواب ہے جو مسلمانوں کی ایک قابل ذکر تعداد کے بنیاد پرستانہ طرز عمل کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔

نفرت اور خوف کے محض اظہار سے بڑھ کر اسلاموفوبیا کو مسلمانوں کی بطور مسلمان صلاحیت کو کمزور کرنے کی کوشش کے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو مستقبل کی طرف لے جا سکیں۔ جس طرح سے اسلاموفوبیا کو بیان کیا جاتا ہے اور اس کا اظہار کیا جاتا ہے وہ کئی طرح کا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلاموفوبیا کی کوئی خاص شکل ہے جو کئی طرح سے سامنے آنے والی شکلوں کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے۔ بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح سے کوئی اشارہ، کوئی تقریر یا پولیس کا ایکشن سب اسلاموفوبیا ہی کے مختلف مظاہر ہیں، جو کسی ایک رخ کی جانب اشارہ نہیں کرتے بلکہ ایک کثیر الجہت یکسانیت کا مظہر ہیں۔

چنانچہ یہ مضمون اسلاموفوبیا کی جو تعریف متعارف کراتا ہے وہ اسلاموفوبیا کو اس کی متنوع اقسام کے ذریعے دیکھنا ہے نہ کہ کسی مفروضے یا اس کو تشکیل دینے والے عناصر کے ذریعے سے ـــــ جن مختلف طریقوں سے اسلاموفوبیا کو صورت حال بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، وہ مخصوص ثقافتی، سماجی، معاشی اور تاریخی عوامل کے ساتھ مشروط ہیں، اور ان عوامل نے ہر جگہ اسلام پر عمل کرنے کے حوالے سے اثرات مرتب کیے ہیں۔

اسلام پر عمل پیرا ہونا چار مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ پہلا مسلمستان۔ اس سے مراد ایسے ممالک کا گروپ ہے جو سماجی اور ثقافتی طور پر، باقاعدہ یا بے قاعدہ، اسلام پسندوں (Islamicate) کی اکثریت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام عملی مقاصد کے لیے ان ممالک کی ایک بہت بڑی اکثریتی آبادی خود کو مسلمان کہتی ہے۔ بسا اوقات ان ممالک میں اسلام کو آئینی طور پر برتری حاصل ہوتی ہے مثلاً اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیا جانا۔ مسلمستان میں ایک یا دو استثنائی صورتوں ـــ جیسا کہ موزمبیق کی شمولیت لیکن بوسنیا ہرزیگووینا کا شامل نہ ہونا ـــ کو چھوڑ کر یہ تمام ممالک OIC کے رکن ہیں۔[۴]

دوسرا حصہ ان علاقوں پر مشتمل ہو سکتا ہے جہاں مسلمان واضح اقلیت میں ہیں، قومی اہمیت کے

معاملات میں ان کی حیثیت غیر اہم ہے اگر چہ ان کی موجودگی اس ریاست کے وجود سے قبل بھی موجود تھی اور اب بھی ان کی موجودگی ہمہ وقتی ہے۔ مثلاً ہندوستان، روس، چین، تھائی لینڈ کی مسلمان آبادیاں۔ تیسرا حصہ وہ علاقے ہیں جہاں عام طور پر مسلمانوں کو تارکین وطن سمجھا جاتا ہے ان میں زیادہ تر مغربی ممالک ہیں لیکن ایسا خاص طور سے نہیں ہے۔ چوتھے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی موجودگی کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور جہاں اسلاموفوبیا کا وجود محض فرضی یا نمائشی ہے۔ وسطی افریقہ کے وسیع علاقے اور جنوبی امریکہ کے علاقے کے ممالک اس حصے میں شامل ہوں گے۔ یہ چاروں نمونے اسلاموفوبیا کے مختلف مظاہر اور متنوع حالتوں کو ظاہر کرتے ہیں جن میں اسلاموفوبیا ظاہر ہوسکتا ہے۔

اسلاموفوبیا کے عمومی مظاہرے

اسلاموفوبیا کے عمومی مظاہروں کو پیش کرنے کا مقصد ان رویوں کی اقسام کو واضح کرنا ہے جنہیں اس زمرے کی صف بندی کے ذریعے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ اسلاموفوبیا کے تحت کی گئی سرگرمیوں کو چھ بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلے نمبر پر اسلاموفوبیا کا اظہار اس طرح ہوگا کہ جسے مسلمان سمجھا جائے گا اس پر حملہ کیا جائے گا۔ یہ حملے مختلف افراد کے ذریعے بھی ہو سکتے ہیں یا نیم منظم یا منظم گروہوں کے ذریعے ایک ساتھ بھی۔ ان میں بیہودہ جملے کسنا، دھکے دینا، تھوکنا، مسلمان عورتوں کا حجاب کھینچنا، مختلف اقسام کی مار پیٹ اور یہ بالآخر قتل پر منتج ہو سکتے ہیں۔ ان تمام واقعات میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ تشدد بلا اشتعال ہوتا ہے اور یہ سب عوامی مقامات جیسے گلیوں اور پارکوں میں ہوتا ہے۔

دوسرا، کوئی شخص اسلاموفوبیا کی شناخت مسلمانوں کی جائیدادوں پر حملوں کی شکل میں بھی کرسکتا ہے۔ مساجد، قبرستان، تجارتی مراکز وغیرہ۔ ان حملوں میں توڑ پھوڑ (کھڑکیاں توڑنا، مسجدوں میں سور کے سروں کو پھینکنا، دیوار پر تحریر لکھنا)، آگ لگانا، مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کرنا شامل ہیں۔

تیسرا، اسلاموفوبیا کا اظہار اشتعال انگیزی جیسے عمل سے بھی ہوتا ہے۔ اس طرح کے اعمال اس

وقت منظم تصور ہوں گے جب ایک بڑی تعداد یہ کام کر رہی ہو اور وہ مسلمان سمجھی جانے والی یا مسلمان دوست آبادی کو ڈرانے دھمکانے کا کام کریں گے۔ ۵ ڈرانے دھمکانے کی ایک صورت مسلمانوں کی بڑی آبادیوں کی طرف مارچ کرنا بھی ہے۔ ان میں اشتہاری مہم، اسلام کے خطرے سے متعلق انتباہ، قرآن مجید کو جلائے جانے جیسے مکروہ واقعات یا یہ کہ مسجدوں اور ثقافتی مراکز کی تعمیر کے خلاف مظاہرے بھی شامل ہیں۔ ان اعمال کی شدت کا اندازہ مطلوبہ سماجی اور مالی سرمایے سے متعلق اخراجات سے کیا جاسکتا ہے۔

اسلاموفوبیا کا چوتھا مظاہرہ وہ کہلایا جاسکتا ہے جس کا تعلق اداروں کے نظام سے ہے۔ جس میں وہ لوگ جنہیں مسلمان سمجھا جاتا ہے، انہیں اسی ادارے میں تعینات ان جیسے عہدوں پر فائز دیگر ساتھیوں کی نسبت برے برتاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسا طرز عمل ہراساں کرنے، غنڈہ گردی، مذاق اڑانا، کاموں کی تقسیم اور کارکردگی کے جائزے جیسے معاملات میں ہوسکتا ہے جس میں وہ لوگ جنہیں مسلمان سمجھا جاتا ہے، انہیں بدترین رویے اور تبصرے کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس مثالوں کی فہرست میں ایک یونیورسٹی کے اسلام سے متعلق تحقیقی مرکز میں سور کے گوشت کے سینڈوچ کھلانا یا ایسے لباس پہننے کی پابندی جو اس ادارے میں کام کرنے والے دیگر اہل کاروں کے مقابلے میں مسلمانوں پر بوجھ ثابت ہو جیسی چیزیں شامل ہیں۔ لیکن یہ محض انہی چیزوں تک محدود نہیں ہے۔ یہ سب اس وقت بھی واقع ہوسکتا ہے جب کوئی ادارہ فیصلہ سازی کے لیے اداروں میں ایسے عناصر شامل کرلے، جو اسلام اور اسلام سے متعلقہ لوگوں سے بُغض رکھتے ہوں۔ اس طرح ممکن ہے کہ مسلمانوں کی ترقی روک دی جائے اس کے لیے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ وہ (مرد یا عورت) قدامت پسند ہے یا یہ کہ وہ مخلوط ماحول میں کام کرنے کے رویے سے ناواقف ہے۔ ان میں سے کچھ ادارے اس اداراتی مجموعے کا حصہ ہو سکتے ہیں جن سے ریاست وجود میں آتی ہے جب کہ کچھ ادارے نجی بھی ہوسکتے ہیں۔ دوبارہ یہ بتاتے چلیں کہ ضروری نہیں ہے کہ اسلاموفوبیا کے ان مظاہر کو ریاست ہی کے کہنے پر یا اس کے تعاون سے کیا جارہا ہو بلکہ ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غیر امتیازی قانون سازی یا تہذیب نہیں

بنائی گئی یا ان کی موجودگی کے باوجود مسلمانوں کو ایسے دائرے میں شامل کرنے سے اجتناب برتا گیا ہے۔

اسلاموفوبیا کا پانچواں حصہ ان واقعات کے حوالے سے ہے جس میں دیرپا اثرات اور منظم تفصیلات کی لہر رہائشی علاقوں میں پھیلائی جائے اور اس کے ذریعے اسلام یا مسلمانوں کی ہتک کی جائے۔ یہ ہتک آمیزی کم یا زیادہ حساس ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کو اس طرح سے شائع کرنا کہ (نعوذ باللہ) اس کے مصنف کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھ دیا گیا ہو یا قرون وسطیٰ کے اسلام کے متعلق عیسائی متنازعہ دلائل کو ''سچ'' ثابت کرنا یا مختلف جرائم کو اسلام یا مسلمان ثقافت سے جوڑنا۔[۶] اس قسم کا اسلاموفوبیا انٹرنیٹ سائٹس، اخبارات، میگزینز یا دیگر میڈیا کے ذریعے پھیلایا جاسکتا ہے۔ یہ حقیقی یا افسانوی پروگرام کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ اس قسم کا اسلاموفوبیا پالیسی اور رائے عامہ کو بھی متاثر کرسکتا ہے۔ اور یہ ریاستی مداخلت اور قواعد میں مداخلت کے لیے وجہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ معاشرے کے عمومی تاثرات اور رائے کا حصہ بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ غیر جانچ شدہ مفروضات اور عقائد جو کسی بھی معاشرے میں گردش کرتے ہیں۔

اسلاموفوبیا کی مندرجہ بالا پانچ اقسام انفرادی یا اجتماعی (نجی یا سرکاری) طور پر سرانجام دی جا سکتی ہیں۔ ریاست اسلاموفوبیا کے شکار افراد کو مناسب تحفظ فراہم کرنے سے صرف نظر یا قطعی انکار کرکے یا ان کاموں کو چیلنج کرکے اسلاموفوبیا کے مرتکب افراد کو سہولت تو فراہم کرسکتی ہے لیکن ایسے کاموں کے دوام میں فعال انداز میں یا کھلم کھلا ملوث نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ ان سرگرمیوں کے کچھ دیگر پہلو بھی ہیں جنہیں اسلاموفوبیا قرار دیا جاتا ہے جس میں ریاست اپنے کارندوں کی صورت میں فعال کردار ادا کرتی ہے۔ ان میں مسلمان آبادیوں کی کڑی نگرانی کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال، ایجنٹ کے ذریعے فتنہ انگیزی اور تنخواہ دار مخبر شامل ہیں۔ ایسی نگرانی ایسے لوگوں کے ذریعے کی جاسکتی ہے جنہیں قدرے نرم الفاظ میں خفیہ پولیس کہا جاتا ہے[۷] (جو کہ ایسی ریاستی ایجنسیاں ہوسکتی ہیں جنہیں خطرناک آپریشن کے طریقے سکھائے جاتے ہیں) ان خفیہ پولیس آپریشنز کے ساتھ ساتھ ایک اسلاموفوبیا

مجرمانہ نظام انصاف کا ہے جس میں وہ لوگ جنہیں مسلمان سمجھا جاتا ہو، ان کے ساتھ دوسروں کے مقابلے میں برا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ تفریق پر مبنی سزائیں ہوسکتی ہیں۔ پولیس آفیسرز کی طرف سے روکے جانے اور تلاشی لینے کے عمل میں فرق ہوسکتا ہے۔ ریاستی پالیسیوں کے ذریعے مسلمانیت کے اظہار کو بھی روکا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر مسجدوں کی عمارات کو محدود کرنا، مسلمانوں کے لباس کے حوالے سے پابندیاں عائد کرنا (برقعہ پر پابندیاں) اس قسم کی سرگرمیوں کے اسلاموفوبیا ہونے کا تعلق، اس بات سے ہے کہ وہ مسلمان آبادیوں والے علاقوں پر کتنا دباؤ ڈال رہی ہیں۔

اسلاموفوبیا نسل پرستی سے مختلف نظر آتا ہے۔ اسے داخلی پالیسی کے شعبے تک محدود نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بین الاقوامی طور پر بسنے والے لوگ ہیں۔ اس طرح قومی ریاستوں کی سرحدیں انہیں محدود رکھنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ مزید برآں مسلمانوں کے لیے حیاتیاتی دائرہ تلاش کرنا بھی مشکل ہے۔ اگر مسلمان کوئی نسل یا نسب نہیں ہیں (جو کہ وہ واضح طور پر نہیں ہیں) تو پھر وہ کیا ہیں؟

اس سوال کا کوئی بھی جواب اس اعتراف کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ مسلمان ہونا بہت زیادہ پر عزم وجود رکھنے کا نام ہے۔ مسلمان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اور کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ مسلمان جو کچھ بھی ہو وہ دیگر کئی اعتبار سے نسل پرستی یا قومیت پرستی کے ساتھ بھی وابستہ ہوتا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس، مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا انتخاب موجود ہے اور درست انتخاب میں ان کی ناکامی، خوف یا جہالت کی بنیاد پر ہے۔ انتخاب کی آزادی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مسلمان نہ ہونے کا انتخاب کریں۔ مسلمان آبادیوں کو غیر مسلم بنائے جانے کی تین بڑی مثالیں گزری ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی عام آبادی میں مسلمان ہونے کا احساس یا اسلام کے بارے میں آگاہی ختم ہوکر رہ گئی۔ ایسی پہلی مثال ۱۴۹۳ء میں سقوط غرناطہ کے بعد آئبیریا کے بادشاہ کی جانب سے مسلمانوں کو غیر مسلم بنائے جانے کی ہے جہاں انہیں ارتداد یا اسلام سے اخراج پر مجبور کیا گیا۔

بہت سارے مسلمان کیتھولک عیسائی بن گئے اور ہر وقت کی کڑی نگرانی کی وجہ سے اسلام سے متعلق مخصوص شعائر چھوڑ بیٹھے (مثلاً سور کا گوشت نہ کھانے کی پابندی نہ کرنا)۔ آئبیریا میں اسلامی آثار کی زیادہ تر نشانیاں (لیکن مخصوص نہیں) زبان اور تعمیرات میں پائی گئی ہیں۔ اس کی دوسری مثال اوقیانوس میں آبادکاری کی معیشتوں کے لیے غلام بنائے گئے افراد کو غیر مسلم بنانے سے متعلق ہے۔[۸] اندازہ لگایا گیا ہے کہ افریقہ سے امریکہ لائے جانے والے غلاموں میں سے ایک تہائی یا نصف آبادی مسلمان تھی (ڈی یوف۔ ۱۹۹۸، ۴۸۔۴۶)۔ آبادکاری میں غلامی کے حالات اس قدر تلخ اور سخت تھے کہ ان میں اسلامی ورثے یا پہچان کا نام نشان تک مٹ گیا اور یہ اس حد تک مٹ چکا تھا جیسا کہ شرمن جیکسن نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ۲۰ ویں صدی کے آغاز میں افریقن۔ امریکن مسلمان آبادی کے ظہور کا اس کے اپنے مسلمان ماضی کے ساتھ کسی ''بھولی بسری یاد'' کا بھی تعلق نہیں ہے۔ (جیکسن۔ ۲۰۰۵، ۴۸۔ ۳۸)۔ مسلمانوں کو غیر مسلم بنائے جانے کا تیسرا بڑا واقعہ کمیونسٹ حکام کی جانب سے ہے جس میں انہیں مختلف درجوں میں کامیابی ملی بعض ممالک جیسا کہ البانیہ میں سیکولرائزیشن کی مہم کے نتیجے میں وہاں کی مسلمان آبادیوں میں مسلمان ہونے کا احساس ختم ہو گیا یا نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ تاریخی اعتبار سے مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر اسلام سے دور کرنے کا عمل صرف ایسی حکومتوں میں ہوا ہے جو متشدد اور گمراہ تھیں۔

نسل پرستی پر مبنی حکومت سازیاں

اسلاموفوبیا نسل پرستی پر مبنی حکومت سازیوں کی ایک شکل ہے۔ یہ تعصب اور جہالت سے بڑھ کر ہے۔ یہ مداخلتوں اور درجہ بندیوں کی ایک ایسی کڑی ہے جو کہ مسلمان آبادیوں کی خوشحالی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلاموفوبیا کے وضع کرنے میں کسی جذباتی، ثقافتی یا مذہبی سرمایہ کاری کا اظہار نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اسلاموفوبیا زبان کا ایک ایسا کھیل ہے جس کا رخ مسلم شناخت کو کمزور کرنے کی جانب ہے۔ بالفاظ دیگر، اگر ہم اسلاموفوبیا کو ایک قاعدے

اور مسلمانوں کو مغربیت کے افق پر نظم وضبط کا پابند کرنے کے حوالے سے سمجھنا چاہیں (سید۔۲۰۱۰، ۱۷۔۱۵) تو اس کا مطلب یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ مخاصمت نہ تو لازمی طور پر جذباتی ''نفرت انگیز'' ہے نہ ہی مذہبی ''مسلمان بطور کافر'' یا ثقافتی ''مسلمان بطور باہر سے آیا ہوا'' بلکہ یہ کسی قدر سیاسی ہے۔

اسلاموفوبیا کو اب تک کسی موجودہ ریاست کا اصولی ریاستی منصوبہ ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلاموفوبیا کو نسلی ریاست سے منسلک نہیں کیا گیا۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسلاموفوبیا پر مبنی رجحان کے وقوع، کڑیوں اور شدت کو باقاعدہ نہ کیا جائے۔ اسلاموفوبیا کی منطقی انتہا مسلمانوں کا خاتمہ ہوگا۔ یہ خاتمہ دو صورتوں میں ہوسکتا ہے۔ ایک صورت مسلمانوں کی جسمانی تباہی ہوگی جو کہ نسل کشی کہلائے گی جب کہ دوسری صورت وہ ہوگی جسے غیر مسلم بنایا جانا (de-Islamization) قرار دیا جاسکتا ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کی شناخت کو ختم کرنا ہوگا۔ مندرجہ بالا تاریخی مثالوں کی بنیاد پر یہ ممکن ہوگا کہ مختلف اداراتی گروہوں کو مسلم شناخت کے خاتمے کے لیے کی جانے والی کوششوں کے تناظر میں دیکھا جاسکے۔

ذیل میں چند خاکوں کے ذریعے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کس طرح اسلاموفوبیا اپنی اصولی ساخت، دلائل اور رویوں کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱) کوئی ایسے معاشرے کا تصور کرسکتا ہے جس میں ترک اسلام کے عمل کا کھلے عام اظہار اور ان پر عمل کیا جائے۔ اسلام سے دور کرنے کی پالیسی ریاستی مشینری کے اداروں کے ساتھ ساتھ سول سوسائٹی کے طبقات کے ذریعے بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ یہ گولڈ برگ کی بیان کردہ نسل پرست ریاست کے مطابق ہوگا۔ ایسی کوشش اسپین میں غرناطہ کے بعد کی حکومتوں یا البانیہ جیسے کمیونسٹ ممالک کی اختیار کردہ، پالیسیوں کو پیچھے چھوڑ دے گی۔ یہ اسلاموفوبیا بطور سرکاری پالیسی ہے۔

(۲) ایک ایسی ریاست جس میں ایسی پالیسیوں اور کاموں پر عمل درآمد ہوتا ہے جو اسلاموفوبیا

سمجھی جاتی ہیں۔ اگر چہ ریاست اس الزام کو مسترد کرتی ہے۔

(۳) ایک ایسا ملک جہاں ایسی قابل ذکر اور فعال تنظیمیں موجود ہوں جو ان اقدامات کا مطالبہ کریں جو اسلاموفوبیا سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تنظیمیں اب معمولی اہمیت کی حامل نہیں رہیں اور ان کے طور طریقے اور آراء سیاست دانوں کے ذریعے گونجتی رہتی ہیں۔

(۴) ایک ایسا ملک جس میں اسلاموفوبیا سے متعلق اقدامات پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا جاتا ہے لیکن ان مطالبات کو مسلسل چیلنج کیا جاتا ہے اور ایسی تنظیمیں اور آراء موجود ہوتی ہیں جو اسلاموفوبیا کو چیلنج کرتی ہیں۔

آیئے اس مضمون پر دوبارہ نظر ڈالتے ہیں۔ میں نے اس منطق کے ساتھ آغاز کیا تھا کہ نام دینے کا عمل مسئلے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ پھر میں نے وہ طریقہ بھی دکھایا جس میں اسلاموفوبیا، مسلمانوں کے خلاف تشدد، خلاف ورزی، امتیازی سلوک اور انہیں ماتحت سمجھنے کے عمل کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ مختلف مثالوں اور تناظر کے ذریعے میں نے کئی طرح کے تجربات دکھائے جو اسلاموفوبیا کے زمرے میں آتے ہیں۔ پھر دکھایا گیا کہ اداراتی مجموعوں کے ذریعے اسلاموفوبیا کس طرح سامنے آسکتا ہے۔

اسلاموفوبیا کا مطالعہ

اسلاموفوبیا محض خیالات کے پھٹ کر ابلنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے وقوع پذیر ہونے کو مخصوص حالات کے تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ ان حالات کو پہچاننے کے بعد یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ نہ صرف اسلاموفوبیا کا قدم اٹھایا جائے بلکہ اس کے خلاف اقدامات بھی کیے جاسکیں۔ اسلاموفوبیا کے خاتمے کے لیے روایتی حکمت عملیاں اکثر نیک ارادے کے ساتھ طے کی جاتی ہیں لیکن یہ اکثر ایسی حالت ہوتی ہے جس میں مستند قسم کے مقررین سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان خطوط پر اعلامیے جاری کریں کہ ''اسلام امن کا مذہب ہے'' یا یہ کہ ''مسلمان ایک ہی جیسے نہیں ہیں'' یا ''مسلمانوں کی اکثریت

اعتدال پسند ہے''۔ اگر چہ فوری نوعیت کے معاملات میں ایسے اعلامیے کچھ کردار ادا کرتے ہیں لیکن یہ بذات خود اسلاموفوبیا کا توڑ نہیں ہیں۔ یہ اعلامیے بظاہر اس خیال کی نفی کرتے ہیں کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے۔ تمام مسلمان شدت پسند نہیں ہیں لیکن یہ تبادلہ خیالات ایسے تناظر میں پیش کیا جاتا ہے جس میں مسلمانوں کی حیثیت ماتحت کی ہوتی ہے اس طرح ان دعوؤں کے ذریعے اس بات کی مخالفت کی جاتی ہے کہ مسلمان شدت پسند ہیں یا اسلام متشدد ہے۔

اسلاموفوبیا کا خاتمہ اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ تنظیمی ڈھانچہ جس نے اسے ممکن بنایا ہے، تحلیل ہوجائے۔ اسلاموفوبیا کے خاتمے کے لیے ان مجموعوں کا خاتمہ ضروری ہے جو اسے ممکن بناتے ہیں۔ یہ مجموعے مخصوص ہیں اور جب کسی حکمت عملی کے کھڑا ہونے کی اس قدر ضرورت ہوگی جتنی کہ خود اسلاموفوبیا کی، اس وقت یہ تجویز دینا مفید ہوگا کہ تسلط کے اس رشتے کو ختم کرنے کا سب سے کامیاب ذریعہ ان کو سہولت دینا اور بااختیار بنانا ہے جو خود اس کا شکار ہیں یعنی مسلمان۔ اسلاموفوبیا کے خلاف عملی اقدامات، اسلاموفوبیا کو رد کرنے کے دعوؤں سے زیادہ ہونے چاہییں۔ بالآخر انہیں مختلف کہانیاں الفاظ کی حد تک نہیں بلکہ عمل کر کے دکھانا ہوں گی۔ ان متبادل کہانیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغربیت کے افق کو مشترکہ قسمت قرار دینا چھوڑ دیں۔

حاصل کلام

اس مضمون میں، میں نے ان نکات کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے: (۱) یہ کہ اسلاموفوبیا سے متعلق سرسری نقطہ ہائے نظر اس تصور کے ساتھ انصاف نہیں۔ (۲) یہ ممکن ہے کہ اب یہ نقطۂ نظر اپنایا جائے کہ عوامی پالیسی کے حوالے سے گفت وشنید شروع کی جائے۔ کسی حالت کو اسلاموفوبیا قرار دینے کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے سے موجود رویوں کی کسی شکل کو آشکارا کیا جائے۔ کسی چیز کو اسلاموفوبیا کا نام دینا دراصل ایک انتہائی اہم عمل ہے۔ یہ منتشر عناصر کو ظلم اور ناانصافی کی ایسی قابل شناخت حالتوں میں مجتمع ہونے کے قابل بناتا ہے جو کہ ان میں ترمیم کے لیے مطالبے کا پہلا نام ہے۔ اسلاموفوبیا کی

ایسے طریقے سے جواب دہی جس سے سماجی پالیسی میں فرق آ سکتا ہو۔ اس مسئلے کو واقعی ایک مسئلہ سمجھنے کی متقاضی ہے نہ کہ اسے صرف ایک جزوی طور پر رویوں اور عقائد کی بے شکل جسامت سمجھنا۔ دو ٹوک مطالبہ یہ ہے کہ اسلاموفوبیا کی پیمائش اس طرح سے ہو جو ایسی گواہی کو جنم دے جو قومی پالیسی کی بنیاد بن سکے۔ یقیناً مشکل یہ ہے کہ اسلاموفوبیا پر بطور نظریہ اتنی لڑائی ہو چکی ہے کہ اس کے وقوع پذیر ہونے کی کسی گواہی کے سامنے آنے کے امکانات کم ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ وہ صرف اس وجہ سے ہے اس بات پر بہت ہی کم اتفاق ہے کہ اسلاموفوبیا میں کون سی چیزیں شامل ہیں اور کون سی گواہی اس کے حق میں جائے گی یا اس کے خلاف۔ کسی چیز کو اسلاموفوبیا کا نام دینا، نسل پرستی کے بعد کے دور میں نسل پرستی کی موجودگی کو نیا نام دینا ہے۔

(ترجمہ و تلخیص: منزہ صدیقی)

Source: S. Sayyid, "A Measure of Islamophobia", Islamophobia Studies Journal, v 2, no.1, Spring 2014, pp. 10-25

.....حواشی.....

۱۔ ہمیشہ سے یہ واضح نہیں ہے کہ یہ تمام مسلمان ہیں یا چند مسلمان ہیں جن سے خطرہ لاحق ہے۔ اسلاموفوبیا زدہ گفتگو میں یہ عام بات ہے کہ پہلے بات 'چند ایک'، اس کے بعد 'کچھ' اس کے بعد 'بہت سے' اور پھر 'سب' مسلمانوں تک جا پہنچتی ہے۔

۲۔ رنی میڈ ٹرسٹ ایک رجسٹرڈ خیراتی ادارہ ہے جو ۱۹۶۸ء میں قائم ہوا۔ یہ خود مختار تھنک ٹینک ہے جو نسلی مساوات پر تحقیق کے لیے کام کرتا ہے۔ اس نے برطانیہ میں کثیر جہتی، تہذیبی اور نسلی ہم آہنگی کو لاحق خطرات پر کئی عمدہ رپورٹس تیار کی ہیں۔

۳۔ کنان ملک نے اس بات پر بہت زیادہ اور کئی مواقع پر زور دیا ہے۔ دیکھیے ملک (۲۰۰۹ء)..... تہذیبی تکثیریت پر اس حیثیت سے تنقید کے لیے یہ قدامت پسند مسلمانوں کو اجتماعی زندگی میں مذہبی اعمال کرنے میں آسانیاں فراہم کرتا

ہے، مزید دیکھیے حسن (۲۰۰۹)

Malik, Kenan. 2009. *From Fatwa to Jihad: The Rushdie Affair and its Legacy*. London: Atlantic Books.

Hassan, Rumy. 2009. *Multiculturalism: Inconvenient Truth*. London: Politicos.

۴۔ حال ہی میں OIC نے اعلان کیا ہے کہ اس کی مکمل رکنیت سازی صرف ان ممالک کو دی جائے گی جہاں کی کم از کم پچاس فیصد آبادی مسلمان ہو۔ اس سے ہندوستان اور روس کی OIC کی مکمل رکنیت سازی حاصل کرنے کا عمل رک جائے گا۔

۵۔ بریوک نے ناروجیس سوشلسٹ پارٹی کے جوان ممبرز کے قتل عام کا جواز پیش کرنے کے لیے مسلم، مارکسسٹ ملٹی کلچرل اتحاد کو پیش کیا یہ محض ذاتی مغالطہ نہیں تھا۔ ایسے ارتکاز کا وجود جدید رجعت پسندوں اور ان کے پیروکاروں کے ہاں (اسلاموفوبیا کے حوالے سے) عام ہے۔

۶۔ جہاد واچ، Bare Naked Islam، کیمپس واچ، Atlas Shrugs، Gates of Vienna صرف چند ایک ویب سائٹس ہیں جو اس قسم کی کہانیوں، الزامات اور مفروضوں سے بھری پڑی ہیں۔

۷۔ دیکھیے ہیٹم بیزاں (۲۰۱۲ء) کی کتاب جس میں اس نے FBI کے شہری حقوق کی تنظیموں اور اس کے علم بردار افراد کے خلاف آپریشن کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان دہشت گرد سمجھے جانے والوں کے خلاف حالیہ جاسوسی کے آپریشن۔

Bazian, Hatem, Bazian.'s 2012. Muslims- Enemies of the State: The New Counter- Intelligence Program (COINTELPRO). *Islamophobia Studies Journal,* Spring 2012. 1, 1 165-206.

۸۔ ڈیواف (۱۹۹۸ء) تفصیل سے ان طریقوں کا ذکر کرتا ہے جن کے ذریعے غلام بنائے گئے مسلمان افریقیوں نے امریکہ میں اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ یہ مسلمان جو غیر مسلم بن گئے، اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کا اسلام سے تعلق کم تھا بلکہ ان مسلمانوں کو مسلمان ہونے سے روکنے کے لیے کوششیں بہت زیادہ کی گئیں۔

Diouf, Sylviane. 1998. *Servants of Allah: African Muslims Enslaved in the Americas,* New York: New York University Press.